# خالق و مخلوق دونوں کے کامل مظہر بنو

(فرمودہ ۱۲؍اگست ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے حواس رکھے ہیں۔ایک وہ حواس ہیں جو اس کے تعلقات کو بیرونی دنیا سے قائم کرتے ہیں اور ایک وہ حواس ہیں جو اس کے تعلقات کو خود اس کے جسم کے اندرونی حصوں سے قائم کرتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے حواس اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی ضروری ہیں۔ جو حواس انسان کے اپنے نفس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ قائم مقام ہیں مخلوق کے اور جو حواس بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ قائم مقام ہیں خالق کے۔ گویا انسان ایک مرکزی نقطہ ہے جس پر خالق کی طرف سے ایک وتر آ کر گرتا ہے اور ایک مخلوق کی طرف سے آ کر گرتا ہے۔ وہ اپنے اندر الٰہی صفات کو بھی پیدا کرتا ہے اور عبودیت کرنے والے وجود جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دال ہیں ان کو بھی اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو مخلوق کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جو تشبیہی یا تنزّلی صفات کہلاتی ہیں وہ وہی ہیں جن سے خدا تعالیٰ اور بنی نوع انسان کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور خدائی صفات ان کے اندر آ کر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اور رحم کا وجود چاہتا ہے کہ کوئی اور ہستیاں ہوں جن پر رحم کرے اور جبکہ وہ رحم کرتا ہے تو ضروری ہے کہ رحم کے دو مقتضیات اس کے اندر پائے جائیں۔ یعنی وہ سننے والا بھی ہو اور دیکھنے والا بھی۔ تا اس کے رحم کی مستحق جو مخلوق فریاد

کر سکتی ہے اسے سن کر رحم کرے اور جو فریاد نہیں کر سکتی ان کی کسی فریاد کے بغیر ہی ان کی حالت کو دیکھ کر ان پر رحم کرے۔ پھر اس رحم کے تقاضا کے ساتھ رحم کا انتہائی حصہ ہدایت ہوتی ہے۔ یعنی جبکہ ایک ہستی یہ چاہتی ہے کہ دوسری کو ادنیٰ حالت سے ترقی دے کر اوپر لے جائے۔ رحمت کا ادنیٰ مفہوم شفقت ہے یعنی تکلیف کو دور کرنا اور اس کے اعلیٰ حصہ میں ترقی دینے کی خواہش ہوتی ہے۔ ایک تندرست بچہ جسے کوئی بیماری نہیں اس کا معدہ بھی اچھا ہے، اسے کھانے کو بھی مل جاتا ہے، دیکھنے کے لئے آنکھیں موجود ہیں اور نظارے بھی مہیا ہیں کان ہیں اور اس کے ایسے رشتہ دار بھی موجود ہیں جن کی باتیں وہ سن سکے اس کے لئے جسمانی طور پر کسی شفقت کا موقع نہیں کیونکہ اس کی ہر طبعی ضرورت پوری ہے لیکن اس کی طبعی ضرورتوں کا پورا ہو جانا اسے کسی بلند مقام پر کھڑا نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے اور چیزوں کی ضرورت ہے جو اسے دوسری اشیاء سے ممتاز کر دیں، اس کے طبعی مقام کو بلند کر کے اسے اوپر لے جائیں جسے دیکھ کر ہر شخص کہے کہ یہ اپنے طبعی مقام سے اوپر پہنچ گیا ہے اور اس طرح اس نے ایک امتیاز حاصل کر لیا ہے اور اس کے لئے تعلیم اور ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔

پس رحم کا آخری حصہ ہدایت ہے اور اس کا ادنیٰ مقام شفقت ہے۔ دوسرے کی کمزوری کو محسوس کرنا اور اسے دور کرنا یہ تو شفقت ہے لیکن جب کوئی کمزوری اور تکلیف نہ ہو تو اسے بلند مقام پر لے جانے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ احسان ہے اور اسے مکمل کرنے کے لئے صفتِ ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح شفقت کے پورا ہونے کے لئے سمع و بصر کی صفاتِ ضروری ہیں، اسی طرح احسان کے مکمل ہونے کے لئے ہادی ہونا ضروری ہے اور خدا ہادی ہے، وہ ہادی بھیجتا بھی ہے اور خود بھی رہنما کی صورت اختیار کرتا ہے اور انسان کے آگے آگے چلتا ہے حتّٰی کہ اسے وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کے پانے سے وہ دوسروں سے ممتاز نظر آنے لگ جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ اُسے دوسری مخلوق سے کچھ امتیاز حاصل تھا اور وہ اپنے اندر کچھ الوہیت کی صفات بھی رکھتا ہے۔

ہدایت کا ظاہری نمونہ زبان ہے۔ زبان کی گفتگو سے انسان دوسرے کو ہدایت دیتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے حرکت کی ضرورت ہے۔ عربی میں ہدایت کے تین معنے ہیں۔ رستہ بتانا،

رستہ دکھانا۔اور رستہ پر لیتے چلے جانا۔[1] کبھی کوئی شخص تم سے رستہ پوچھتا ہے تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو یا طبیعت میں بخل کا مادہ ہوتا ہے یا احسان کا مادہ نہیں ہوتا۔تم ہل چلا رہے ہوتے ہو یا لکڑیاں کاٹتے ہوتو وہیں سے منہ اٹھا کر کہہ دیتے ہو کہ اس طرف چلے جاؤ آگے دو رستے ہوں گے وہاں سے اس طرف ہو جانا۔تم اسے رستہ تو بتا دیتے ہو مگر اپنی جگہ سے ہلتے نہیں ہو۔اس سے ایک اجنبی آدمی جسے رستہ پانے کی مشکلات ہونگی اور جو اس علاقہ کا واقف نہ ہوگا اس کے دل کی گھبراہٹ دور نہ ہو سکے گی گو وہ تمہارا ممنون ہوگا اسے خدشہ ہوگا کہ شاید کہیں بھول جاؤں اور وہ تسلی کے لئے بعد میں اگر کوئی اور شخص اسے ملے تو وہ اس سے بھی پوچھتا ہے کہ فلاں مقام کو کونسا رستہ جاتا ہے۔لیکن اگر تمہارے اندر احسان کا مادہ زیادہ ہے یا تمہیں فرصت ہے اور نیکی کی طرف تمہاری طبیعت راغب ہے تو تم اسے کہتے ہو کہ بھائی جی آؤ میں رستہ دکھاؤں اور اس کے ساتھ جا کر عین اس جگہ اسے چھوڑ آتے ہو جہاں سے دھوکا لگ سکتا تھا اور پھر اسے بتا دیتے ہو کہ سیدھے چلے جاؤ لیکن اگر منزل دور اور رستہ پیچیدہ ہے تو کچھ دور تک جا کر اسے پھر مشکل پیدا ہوگی اور وہ پھر پوچھے گا۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر تمہیں مقدرت اور توفیق ہے طبیعت میں نیکی اور احسان کا مادہ بہت زیادہ ہے تو تم اس کے ساتھ ہو جاتے ہو اور گھر پہنچا آتے ہو اور دکھا آتے ہو کہ یہ جگہ ہے۔مجھے یاد ہے جب ہم ولائت گئے تو ہم ایسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے جہاں سے مسجد احمدیہ دس بارہ میل تھی۔منتظمین کو بھی اس کا خیال نہ آیا کہ ممکن ہے ان کو یہاں پہنچنے میں دقّت ہو۔چنانچہ پہلی دفعہ جب ہم مسجد کی طرف چلے تو اتفاق کی بات ہے کہ ٹیکسی والا بھی وہ ملا جو لنڈن کا نہیں بلکہ اَور علاقہ کا رہنے والا تھا اور بڑے بڑے رستوں کے سِوا چھوٹی گلیوں کا واقف نہ تھا۔لنڈن کے رہنے والے ڈرائیور تو عام طور پر واقف ہوتے ہیں لیکن وہ نہ تھا اس لئے بڑی بڑی گلیوں تک وہ آ گیا لیکن جب مسجد دو تین میل کے فاصلہ پر رہ گئی تو وہ رستہ بھول گیا اب ادھر مسجد میں ہمارا انتظار ہو رہا تھا اور ادھر ہم اِدھر اُدھر چکر لگا رہے تھے۔کئی جگہ سے پوچھا مگر رستہ نہ ملا۔ایک جگہ ایک شخص موٹر میں بیٹھا تھا اور اس کے پاس ایک شخص موٹر سائیکل پر سوار کھڑا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ٹیکسی کھڑی کر کے ڈرائیور نے اس موٹر والے سے رستہ دریافت کیا لیکن اسے معلوم نہ تھا موٹر سائیکل والا جانتا تھا اس لئے اس نے اسے تفصیل

کے ساتھ رستہ بتایا۔ مگر ڈرائیور چونکہ ناواقف تھا اس نے پھر جرح کی اور وہ سمجھ گیا کہ یہ لنڈن کا رہنے والا نہیں معلوم ہوتا ہے اسے موٹر والے سے کوئی ضروری کام تھا کیونکہ اس نے اس سے کہا کہ آپ میرا انتظار کریں میں رستہ بتا آؤں۔ چنانچہ وہ دو تین میل تک ہمارے ساتھ آیا اور مسجد کے سامنے پہنچ کر اس نے بتایا کہ یہ ہے۔ تو تیسری شق اس کی یہ ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچا دیا جائے۔ پہلی شق میں تو صرف زبان ہی کام کرتی ہے مگر دوسری اور تیسری میں صرف زبان کام نہیں دے سکتی بلکہ اس کے ساتھ حرکت کی قابلیت بھی ضروری ہے۔ اگر پاؤں نہ ہوں تو صرف پہلی قسم ہدایت کی ہی ہے جو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ نہیں کر سکتے کہ رستہ دکھاویں۔ یا رستہ پر لیتے چلیں کیونکہ ان دونوں شقوں کے لئے حرکت کی قابلیت درکار رہے جو انسان کے اندر لاتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بغیر فضل کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور یہ اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ وہ سمیع ہے یعنی سنتا ہے مگر کانوں سے نہیں، وہ بصیر ہے یعنی دیکھتا ہے مگر آنکھوں سے نہیں، وہ متکلم ہے یعنی بولتا ہے مگر زبان سے نہیں، وہ حرکت کرتا ہے مگر پاؤں سے نہیں، وہ پکڑتا ہے اور دیتا ہے گرفت کی طاقت رکھتا ہے مگر ہاتھوں سے نہیں۔ وہ اگر سننے والا نہ ہوتا تو فریاد کس طرح سنتا، وہ اگر دیکھنے والا نہ ہوتا تو جمادات اور حیوانات کی حالت سے کس طرح آگاہ ہوتا، اگر بولنے والا نہ ہوتا تو ہدایت کس طرح دیتا، اگر چلنے والا نہ ہوتا تو ہدایت کے مقام پر کس طرح پہنچاتا، اگر اس کے ہاتھ نہ ہوتے تو وہ مشکل کے وقت مدد کس طرح کرتا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ تمام وہ کام کر دیتا ہے جس کے لئے انسان کو ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے یہی وہ صفات الوہیت کی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ تعلق پیدا کر دیتا ہے اور یہ سب کامل طور پر انسان میں ہی پائی جاتی ہیں۔ باقی حیوانات میں سے بعض چلتے ہیں لیکن ان کے ہاتھ انسان کی طرح نہیں ہوتے۔ جیسے بعض بندر، پکڑتے ہیں اور اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاتھ ہیں مگر ان کی زبان نہیں وہ چیز کو پکڑ تو لیں گے مگر اپنے خیالات تفصیلی طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ یہ سب باتیں انسان ہی میں پائی جاتی ہیں تا وہ الوہیت کا مرکز ہو جائے اور جس طرح خدا تعالیٰ اپنی قوتوں کو ظاہر کرتا ہے، یہ بھی کرے۔ ورنہ

تھوڑی تھوڑی یہ طاقتیں تو سب میں ہیں۔قرآن کریم نے سب سے پہلے بتایا کہ نباتات میں حِسّ ہے اور اب سائنس نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے۔قرآن کریم ہی سب سے پہلا کلام ہے جس نے یہ بتایا ہے کہ ہر چیز کے جوڑے ہوتے ہیں[2] اور جوڑا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حِسّ موجود ہے۔قرآن کریم نے ہر چیز کا جوڑا بتایا ہے گویا نہ صرف نباتات بلکہ جمادات میں بھی حِسّ ہے۔اور اب سائنس کے بعض ماہرین اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں اور بعض دھاتوں کے متعلق وہ مانتے ہیں کہ ان میں حِسّ ہوتی ہے۔مثلاً ٹین کے متعلق مجھے یاد ہے میں نے پڑھا ہے کہ اس میں حِسّ کا ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔امید ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ ان علوم کو پالے گی۔تو بیرونی حواس کامل طور پر انسان میں پائے جاتے ہیں اور اگر غور سے دیکھیں تو اندرونی حصے بھی بیرونی میں موجود ہیں۔جب ہم کہتے ہیں کہ تبلیغ کرو، چندہ دو یا بنی نوع انسان کی خدمت کرو تو سارا زور ہمارا ان صفات کے متعلق ہوتا ہے جو الوہیت کی ہیں یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔جب ہم یہ کہتے ہیں کہ چندے دو تو گویا ہم یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزاق کے مظہر بنو اور جب کہتے ہیں تبلیغ کرو تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ ہادی بن جاؤ، جب کہتے ہیں لوگوں کی خدمت کرو تو رحمٰن اور رحیم بناتے ہیں یہ سارے کام الوہیت کے ہیں اور یہ سب اچھے کام ہیں۔مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ کافی ہے کہ ہمارے یہ سارے کام الوہیت کے ہوں اور اپنے مقام کو ہم بھول ہی جائیں ہمیں یہ کبھی یاد بھی نہ آئے کہ ہم مخلوق ہیں۔خدا تعالیٰ خالق اور اِلٰہ ہے اس لحاظ سے اس کی ذاتی صفات ازلی طور پر کامل ہیں اور ان کی تکمیل کا بار اس پر نہیں لیکن ہم تو مخلوق ہیں اس لئے اپنی تکمیل کی طرف بھی ہماری توجہ ہونی چاہئے۔خدا تعالیٰ تو آپ ہی آپ کامل ہے اسے تو یہ ضرورت نہیں کہ کہے میرے اندر کی فلاں چیز خراب ہے اسے درست کروں۔وہ ازلی طور پر کامل ہے۔لیکن ہمارے اندر تو مخلوق کی صفات بھی ہیں اور مخلوق کا انجن بگڑتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندرونی حصوں کے مقابلہ پر بعض بیرونی حصے ایسے رکھے ہیں کہ جن سے یہ علم ہوتا ہے کہ جسم کے اندرونی حصہ میں کیا خرابی ہے۔مثلاً ہماری زبان ہے یہ میٹھا بھی چکھتی ہے اور کڑوا بھی، تُرش بھی اور نمکین بھی لیکن بعض اوقات یہ آپ ہی آپ ہر چیز کو کڑوا چکھنے لگتی ہے۔یہ حالت بتاتی ہے کہ جسم کے اندر کوئی خرابی ہے اور یہ اندرونی حِسّ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

گویا ہماری زبان صرف باہر کی چیزوں کو ہی نہیں چکھتی بلکہ اندر کی حالت کو بھی محسوس کرتی ہے۔ زبان کے یہ مزے اپنی ذات میں بعض قوتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر یہ مزے قائم نہ رہیں تو ہم دوسرے لوگوں کو مشکلات میں ڈال دیں گے کیونکہ جہاں میٹھا دینے کی ضرورت ہے نمکین دے دیں گے اور جہاں کڑوے کی ضرورت ہو تُرش دے دینگے۔ تو یہ مزے خالی منہ کے مزے نہیں بلکہ انسان کے جسم کی اندرونی حِسّوں سے ان کا تعلق ہے۔ ذیابیطس کے مریض کو ہم شکر نہیں دیتے تو کیا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے منہ کا ذائقہ خراب ہے۔ یہ وجہ نہیں بلکہ اس کی وجہ اس کی اندرونی خرابی ہے یا خون کی خرابی کی صورت میں ہم نمک نہیں دیتے، یا نزلہ میں تُرشی سے پرہیز ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ زبان خواہش نہیں کرتی بلکہ زبان تو ایسی حالت میں زیادہ خواہش کرتی ہے ہم اس لئے نہیں دیتے کہ جسم میں ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو مزے دراصل انسان کی اندرونی قوتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ بھی رنگوں کی طرح ہیں کبھی ہمیں سرخ رنگ پسند ہوتا ہے اور کبھی سبز۔

اسی طرح ان ذائقوں کا حال ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کچھ تأثیریں رکھتا ہے۔ میٹھا اپنے ساتھ کچھ تاثیریں رکھتا ہے۔ جو کبھی اچھی اور کبھی بُری ہوتی ہیں۔ اسی طرح کڑواہٹ کی بعض تاثیریں ہیں۔ زبان کے ذائقہ کا کڑوا ہونا بتاتا ہے کہ معدہ میں نقص ہے اور کہ اسے کڑوی چیزوں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹری تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کڑوی اشیاء خون کی صفائی اور معدہ کی تقویت کا موجب ہوتی ہیں۔ اسی طرح میٹھا دل کی تقویت کا موجب ہے۔ جب ہم کسی چیز کو چکھتے ہیں اور اسے میٹھی پاتے ہیں تو ہمیں خیال ہوتا ہے کہ یہ دل کے لئے مفید ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ ٹیسٹ (TASTE) بتا دیئے ہیں اور مختلف چیزوں میں مختلف ذائقے رکھ کر ہماری اس طرف راہنمائی کی ہے کہ ہم ان اشیاء کی تأثیروں سے فائدہ اٹھائیں۔ میٹھا کیا ہے یہ گویا ایک ٹریکٹ ہے، اشتہار ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ فلاں چیز میں یہ فائدہ ہے۔ کرواہٹ ایک ٹریکٹ ہے جو بتاتا ہے کہ اس چیز میں یہ خاصیت ہے اور ہماری زبان ان ٹریکٹوں کو پڑھنے والی آنکھ ہے۔ جس طرح حرفوں کو پڑھنے کے لئے آنکھ میں ڈیلا ہوتا ہے اسی طرح ہماری زبان مختلف اشیاء کی خاصیتوں کو پڑھنے کی آنکھ ہے۔ تو یہ خاصیتوں کو بتانے

کا ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ زبان کے ذائقوں میں تبدیلی سے ڈاکٹر اور اطباء اندرونی نقائص کا پتہ لگاتے ہیں۔ طبیبوں نے اس کے ماتحت انسانی طبائع کو کئی اقسام میں تقسیم کر رکھا ہے۔ دموی، بلغمی، سوداوی، صفراوی وغیرہ۔ ڈاکٹروں نے ان کے اور نام رکھے ہیں مگر درحقیقت یہ انڈیکس ہیں جو مختصر طور پر انسان کی حالت کو بتاتے ہیں۔ آنکھ بیرونی اشیاء کو دیکھتی ہے مگر ساتھ ہی وہ اندر کی حالت کو بھی ظاہر کر رہی ہوتی ہے۔ کسی شخص کی آنکھیں سرخ ہوں تو ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے سر کی طرف دورانِ خون زیادہ ہے۔ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ اس شخص میں سِل کا مادہ ہے۔ حضرت خلیفہ اول کی شناخت اس بارے میں قریباً سو فیصدی درست ہوتی تھی اور ہم جنہوں نے آپ سے طب پڑھی ہے اسے پہچانتے ہیں اور بہت حد تک اس بارہ میں ہماری تشخیص درست ہوتی ہے۔ تو آنکھ گو بظاہر بھی دیکھتی ہے مگر اندرونی حالت کا بھی پتہ دیتی ہے۔ جس طرح انسان کے ان حصوں کے سپرد بیرونی طور پر کچھ کام ہیں، کوئی دیکھتا ہے، کوئی سنتا ہے، کوئی سونگھتا ہے، اسی طرح اندرونی طور پر بھی ان چیزوں کے سپرد مختلف کام ہیں اور وہ جسم کے بعض نقائص کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فہرست مضامین کے طور پر بنایا ہے تا ان کو پڑھ کر پتہ لگایا جا سکے کہ اندر کیا نقص ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کتابوں کی فہرست مضامین تو ہمیشہ یکساں حالت پر رہتی ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ اس کتاب کے صفحہ ۱۹ پر فلاں مضمون ہے۔ اب خواہ اس صفحہ کو دیمک چاٹ لے، بیچ میں سے کوئی پھاڑ لے، وہ وہاں رہے یا نہ رہے فہرست میں یہ بات برابر درج رہے گی لیکن یہ ایسی فہرست ہے کہ جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ انسان کی اندرونی کتاب کا ورق جونہی الٹتا ہے فہرست بھی اس تبدیلی کو بتا دیتی ہے اور پھر یہ پہلے سے انسان کو آگاہ کرتا رہتا ہے کہ یہ خرابی ہونے والی ہے۔ انسان امراضِ سینہ کا شکار ہونے والا ہو تو بعض شخصوں پر مہینوں بلکہ سالوں پہلے نزلہ گرنا شروع ہو جاتا ہے جو اسے آئندہ آنے والے خطرہ سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ ایک قطرہ گرتا اور اسے بتاتا ہے کہ اندر کوئی خرابی ہو رہی ہے، دوسرا گرتا ہے اور بتاتا ہے۔ اسی طرح اگر جنون ہونا ہو تو بعض لوگوں کے پہلے ہی سے کان بہرے ہونے لگتے ہیں۔ اور گھوں گھوں ہوتی رہتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ کانوں میں خرابی ہے

حالانکہ یہ دماغ میں گھوں گھوں ہو رہی ہوتی ہے۔تو یہ سب اعضاء ایسی فہرست ہائے مضامین ہیں جو اندر کا حال بتاتی رہتی ہیں۔طب نے ابھی تک پوری ترقی نہیں کی ورنہ حواسِ خمسہ انسان کے اندر کی سب چیزوں کو دکھا دیتے۔بخار کیا ہے جس طرح باہر کی چیزوں کو چھو کر ہم معلوم کرتے ہیں کہ یہ نرم یا سخت ہے،اسی طرح بخار یہ بتاتا ہے کہ اندر فلاں قسم کی خرابی ہو گئی ہے۔کبھی ٹائیفائڈ اور کبھی ملیریا کبھی کچھ،کبھی کچھ تو مخلوق کے اندرونی حواس بہت اہمیت رکھتے ہیں اس لئے میں جماعت کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اندرونی حواس بھی کچھ کم ذمہ داری والے نہیں ہیں اور ان کی طرف توجہ بھی ضروری ہے۔ہم بیرونی حواس سے تعلق رکھنے والی باتوں پر بہت زور دیتے ہیں۔ بیشک ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دوسروں سے کہیں نماز پڑھو مگر اس کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ دیکھیں کہ ہمارا نفس بھی نماز پڑھتا ہے یا نہیں۔اور دراصل مخلوق کا حصہ تو یہی ہے۔ہم خالقیت کی جو چادر اوڑھتے ہیں وہ تو مانگی ہوئی ہے۔جب ہم دوسرے سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھو تو خدا تعالیٰ کا کام کرتے ہیں اور ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ بندہ ہونے کے لحاظ سے جو کام ہمارے ذمہ ہے وہ بھی ہوتا ہے یا نہیں۔جو یہ ہے کہ دیکھیں ہمارا نفس بھی نماز پڑھتا ہے یا نہیں۔ہم لوگوں سے کہتے ہیں چندہ دو یا خود دیتے ہیں تو یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔کہ وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ۔[۳] اس لئے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنے نفس کو بھی چندہ دیتے ہیں یا نہیں۔ظاہر ہے کہ نفس کو ہم روپیہ تو نہیں دے سکتے بیرونی دنیا کا چندہ روپیہ ہے لیکن اندرونی دنیا کا یہ نہیں ہو سکتا۔اس کا خزانہ دل و دماغ میں ہے اور اس لئے نفس کا چندہ صحیح علم اور صحیح فکر ہے۔جس طرح بیرونی دنیا کی تربیت کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اندرونی دنیا کے لئے صحیح فکر کی ضرورت ہے۔منافقت بِالعموم صحیح فکر نہ ہونے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔میں نے دیکھا ہے کہ کسی سے دوستی ہوئی اور اس کی نیکی کو دیکھ کر اس سے تعلق پیدا کر لیا اور اس طرح اپنے لئے ایک رستہ مقرر کر لیا جاتا ہے۔اس کے بعد حالات میں خواہ کتنی تبدیلی کیوں نہ پیدا ہو جائے یہ اس رستہ پر ہی چلیں گے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم کسی شخص کو پکڑنے کے لئے دوڑتے ہیں۔وہ شمال کی طرف بھاگ رہا ہے اور اس لئے اس کے پیچھے ہم بھی شمال کی طرف بھاگیں گے لیکن جب وہ اپنا رخ بدل کر

مشرق کی طرف بھاگنے لگے تو ہمیں بھی چاہئے کہ اپنا رُخ بدل لیں اور اگر نہ بدلیں گے تو تمام دَوڑ دھوپ رائیگاں جائے گی۔ تو انسانی حالات بھی بدلتے رہتے ہیں اور جب دوست کی حالت میں تبدیلی ہوگئی تو اسے چاہئے کہ اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت میں تبدیلی کرے اور اگر یہ نہیں بدلتا تو یہ اس کی بیماری کی علامت ہے۔ منافقت میں ترقی اور منافقت کی ترقی بھی صحیح فکر نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ منافق اس سے فائدہ اٹھاتا اور دوسروں کو بھی اس مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ شکار ایسے ہی لوگ بنتے ہیں جو کسی کو اس کی نیکی کی وجہ سے دوست بناتے ہیں اور پھر کبھی اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ اس کی نیکی میں کوئی فرق آیا ہے یا نہیں حالانکہ کسی کے متعلق کبھی یہ اطمینان نہیں ہوسکتا کہ اُس کی حالت یکساں رہے گی۔ جس چیز کے متعلق ہم مطمئن ہو سکتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کے لئے اس نے فرما دیا ہے کہ یہ نہیں بدلتا اور اس کے بغیر اگر کسی کے متعلق کوئی شخص مطمئن ہے تو ہوسکتا ہے کہ ایک دن وہ خود بھی کسی مرض میں مبتلا ہو جائے۔ پس نفسِ انسانی کا چندہ صحیح فکر ہے۔ ہر چیز کو اس ذریعہ سے دیکھو جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ تمام علوم کی ترقی صحیح فکر سے ہوتی ہے۔ جو لوگ صحیح فکر کے عادی نہیں ہوتے وہ خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ کل ہی ایک نوجوان مبلّغ میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ میں نے کہا کہ میری نصیحت یہی ہے کہ صحیح فکر کی عادت ڈالو۔ میری ذاتی کوشش یہی ہوتی ہے کہ دشمن کی بات کو یونہی غلط نہ قرار دے دوں بلکہ اگر وہ سچی ہو تو اسے سچی کہوں اور غلط ہو تو اسے غلط اور اس وجہ سے جب میں غور کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے یہ توفیق دیتا ہے کہ اس کی تہہ کو پہنچوں اور بسا اوقات میں دیکھتا ہوں کہ وہ اتنی بُری نہیں ہوتی یا اتنی بے وقوفی کی نہیں ہوتی جتنی بظاہر نظر آتی ہو۔ جب میں فلسفیانہ رنگ میں اس پر غور کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہوں تو اس کی اہمیت مجھے نظر آجاتی ہے اس لئے میں اسے ٹالنے والا جواب نہیں دیتا بلکہ اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیتا ہوں اور یہ بات میری علمی ترقی کا موجب ہوتی ہے۔ جو شخص دشمن کی بات کو جھوٹا قرار دے کر اس کو ٹال دیتا ہے اس کے لئے قرآن کریم بھی نہیں کُھل سکتا اس لئے کہ اس نے سوال کی صورت کو بگاڑ دیا اور بگڑے ہوئے سوالات کا جواب قرآن کریم نہیں دیتا لیکن جب وہ اس پر غور کرتا، سوچتا اور دیکھتا ہے کہ

اس کے اندر کیا باریکیاں ہیں اور پھر اگر دیکھتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ ایسا ہے جس کا جواب کوئی نہیں اور وہ سچ ہے تو اسے مان لیتا ہے، تو اس سوال کا جواب اسے ضرور قرآن کریم سے مل جائے گا۔ پس صحیح فکر نہایت ضروری چیز ہے۔ اسی سے صحیح ہدایت پیدا ہوتی ہے اور یہی نفس کا چندہ ہے اور جو اس کی عادت نہیں ڈالتا وہ اپنے نفس کو بھوکا مارتا ہے۔

اسی طرح روزہ انسان کے نفس کو ترقی دینے والی چیز ہے اور ہمارا صرف یہ فرض نہیں کہ دوسروں سے کہیں روزے رکھو بلکہ یہ ہے کہ خود بھی رکھیں مگر بہت کم لوگ ہوں گے جو روزے کی فرضیت کے قائل ہوں گے۔ تم کہو گے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ اکثر لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں کے روزے رمضان میں رہ جائیں، ان میں سے کتنے پھر سال کے دوران بقیہ روزے رکھتے ہیں۔ یقیناً ایک بڑی تعداد نہیں رکھتی۔ خصوصاً عورتیں جو رمضان میں خاص ایام یا خاص حالات کی وجہ سے روزے نہیں رکھتیں وہ بہت کم بعد میں ان روزوں کو پورا کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ خیال ہے کہ روزہ کی فرضیت صرف رمضان میں ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں یہ سارے سال میں ہے۔ اور جو لوگ کسی وجہ سے رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں ان کو سال کے دوسرے دنوں میں پورے کرنے چاہئیں لیکن بہت کم لوگ ایسا کرتے ہیں حالانکہ نفس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ اور ایک اہم فرض بلکہ عبودیت کے لحاظ سے نہایت ہی اہم فرض ہے۔ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے تبلیغ بہت ضروری چیز ہے مگر یہ الوہیت کا فرض ہے، عبودیت کا فرض وہ ہے جو انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہو مگر لوگ الوہیت کے اس فرض یعنی تبلیغ کو تو ادا کریں گے لیکن عبودیت کا فرض نظر انداز کر دیں گے۔ نمازوں میں سُستی کرتے ہیں، ذکرِ الٰہی کا رواج بھی لوگوں میں بہت کم ہے، جو دوست مسجد میں پہلے آ جاتے ہیں وہ لغو باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور اس طرح مل کر وقت ضائع کرتے ہیں اور اسی کے نہ ہونے سے طبائع میں شوخی ہوتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ ذکرِ الٰہی نفس کی شوخی کو دور کرتا ہے اور اس کی کثرت تمسخر اور استہزاء سے بچاتی ہے۔ بعض لوگوں میں یہ عادتِ بد ہوتی ہے کہ وہ تمسخر کے رنگ میں قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ دیتے ہیں۔ یا دین کے کسی معاملہ میں ہنسی کر دیتے ہیں، یا کسی بزرگِ دین کے ذکر پر استہزاء سے کام لیتے ہیں یہ سب باتیں ذکرِ الٰہی

کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور منافقت کی بنیاد ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ [۴] ذکرِ الٰہی انسان کے اندر بری باتوں سے ڈر پیدا کرتا ہے ذکرِ الٰہی کرنے والا ہمیشہ بیہودہ اور لغو مذاق سے بچتا ہے۔

پس آج میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہمیں نہ صرف الوہیت کے بلکہ وہ فرائض بھی ادا کرنے کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے جو مخلوق ہونے کی حیثیت میں ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مرکب بنایا ہے اس پر ربوبیت کی چادر بھی ڈالی گئی ہے اور یہ مخلوق بھی ہے ربوبیت کی چادر اسے اعلیٰ کمالات پر لے جانے کے لئے ہے لیکن جب تک نقائص دور نہ ہوں، ترقی ممکن نہیں۔ اعلیٰ مقام پر پہنچنا کیسے ہوسکتا ہے۔ تم مِیلوں لمبا غبارہ بنا دو اور اس میں گیس بھی بھر دو لیکن اس میں دو چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی اگر کر دو تو وہ اوپر نہیں جا سکے گا۔ اسی طرح جس شخص کی ذات میں کمزوریاں اور نقائص ہیں، وہ تو چھاج ہے، غربال [۵] ہے جس میں سے روحانیت نکل جائے گی۔ روحانی چیزیں تو ایسی باریک اور لطیف ہوتی ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی بہہ جاتی ہیں۔

پس جب تک ان سوراخوں کو بند نہ کیا جائے کوئی فائدہ نہیں۔ مخلوق ہونے کے لحاظ سے جو باتیں ہم پر فرض ہیں تکمیل کے لئے ان کا پورا کرنا بھی اشد ضروری ہے۔ بیہودہ ہنسی مخول اور نمازوں میں سستی کو ترک کر دو، پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھو، ذکرِ الٰہی کرو، روزے باقاعدہ رکھو، پھر طوعی روزے بھی رکھو، اپنے نفس کی اصلاح کے لئے جاگنے کی عادت ڈالو اور اس پر بوجھ ڈالو۔ ان باتوں سے صحیح تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس سے ترقی کر کے ربوبیت کا مقام آتا ہے اور یہی صحیح طریق ترقی کرنے کا ہے۔ ورنہ جو شخص سوراخ بند کرنے کے بغیر غبارہ میں گیس بھرتا ہے وہ اسے بلندی پر پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس کی گیس باہر نکل جائے گی۔ پس ان دونوں حصوں کو مکمل کرو تا تمہارا نفس مکمل ہو اور تا تمہیں روحانی گیس اوپر اٹھا سکے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے کہ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ [۶] عمل صالح یعنی بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والی نیکیاں اسے اوپر اٹھاتی ہیں اور گیس کا کام دیتی ہیں جو عمل بیرونی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ الوہیت کا چندہ ہیں اور جو اپنی ذات کے لئے ہیں

وہ نفس کا چندہ ہیں اور جب تک یہ دونوں حواس مکمل نہ ہوں ترقی نہیں ہوسکتی۔ بعض لوگوں کی آنکھیں بیمار ہوتی ہیں وہ دیکھ تو سکتی ہیں مگر رنگوں میں امتیاز نہیں کرسکتیں۔ ریلوے کے امتحانات کے وقت یہ امر خاص طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رنگ صحیح نظر آتا ہے یا نہیں۔ پہلے تو اس بیماری کا علم ہی نہ تھا یا علم تو تھا مگر یہ علم نہ تھا کہ کثرت سے لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب سے ریلوے کے امتحانات شروع ہوئے ہیں اس کی اہمیت ظاہر ہوگئی ہے۔ ریلوے میں اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ تا ایسا نہ ہو کہ سرخ جھنڈی دکھائی جائے اور وہ اسے سبز سمجھ لے اور اس طرح گاڑی کو ہی کہیں ٹکرا دے۔ چنانچہ ان امتحانوں کے بعد پتہ لگا ہے۔ کہ ایک خاصی تعداد لوگوں کی ایسی ہے جو رنگوں کے پہچاننے میں غلطی کر جاتی ہے۔ اس طرح بعض دفعہ کانوں میں نقص ہوجاتا ہے۔ کسی اندرونی نقص کی وجہ سے حِسّ کمزور ہو جاتی ہے اور انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حِسّوں کی درستی جس طرح ظاہری جسم کے لئے ضروری ہے اسی طرح روحانی جسم کے لئے بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے بیرونی حواس الوہیت والے افعال ہیں ان سے انسان کبھی رحمٰن بنتا ہے، کبھی رحیم، کبھی مالک۔ بعض صفات اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں جو اپنی ذات میں مکمل ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ محی ہے اس کے زندہ ہونے کا مخلوق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اَور بھی ایسی صفات ہیں جن کی حقیقت انسان پر نہیں کھولی جاتی اس لئے کہ ان کا واسطہ انسان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ان کو قرآن کریم نے مجمل الفاظ میں یہ کہہ کر بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ کیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ایسی بالا طاقت ہے کہ اس حد تک ہی انسان کی نظر جاسکتی ہے اس سے اوپر نہیں۔ عرش ایک واسطہ ہے جس طرح انسان مخلوق اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اسی طرح عرش واسطہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات اور افادہ والی صفات کے درمیان۔ وہ جو صفات ہیں۔ ان کا رحمانیت اور رحیمیت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح ازلی ابدی ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کو انسان سمجھ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کا علم نہ انسان کو ہے نہ ہوسکتا ہے۔ ہاں جو بندوں سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مظہر انسان کو بنایا گیا ہے اور تکمیل کے لئے ہم سے دونوں باتوں کی امید رکھی گئی ہے۔ یعنی اپنی ذات کو بھی نقائص سے پاک کیا جائے اور دوسروں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک

کرنے والے ہوں ۔ چندہ دینا، تبلیغ کرنا، یہ ایسی نیکیاں ہیں جو الوہیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور نمازوں کو سنوار کر پڑھنا، ذکر الٰہی کرنا، ہنسی ٹھٹھے سے بچنا، روزہ رکھنا، حج کرنا یہ ایسی نیکیاں ہیں جو نفسِ انسانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان کی تکمیل کئے بغیر انسان کبھی اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچ سکتا اور یہ ایسی عبادات ہیں جن میں دوسروں کا کوئی فائدہ نہیں ۔

فکر کی صحت، خیالات کی پاکیزگی وغیرہ باتوں کی طرف بھی دوستوں کو ایسی ہی توجہ کرنی چاہئے جیسی چندہ کی طرف ۔ جو شخص صرف ان باتوں کی طرف توجہ رکھتا ہے جو دوسروں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور اندرونی اصلاح کا فکر نہیں کرتا۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو دوسرے کے گھر کی حفاظت کے لئے تو جائے مگر اپنے گھر کی فکر نہ کرے ۔ دوسرے کے گھر کی حفاظت بھی اچھی بات ہے لیکن اپنے گھر کو تباہ کر لینا بھی درست نہیں ۔ اگر انسان کا اپنا نفس خراب رہے اور بیرونی دنیا اچھی ہو جائے تو اسے کیا۔ جب نفس کی حالت درست نہ ہو تو سب سے پہلے اسے درست کرنا چاہئے اور پھر دوسروں کی اصلاح سے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے ۔ اگر تمہارے اندر الوہیت کا جلوہ نہیں یعنے تم دوسروں کو نہیں بچا سکتے یا دوسروں کا خیال تو رکھتے ہو لیکن تمہارا اپنا نفس تباہی کی طرف جا رہا ہے تو تمہارا وجود ایک کافر کے وجود کی طرح ہے جو نہ اپنے کام آ سکتا ہے اور نہ دوسروں کے ۔ مؤمن وہی ہے جو اپنی جان کو بھی بچاتا ہے اور دوسروں کو بھی ۔ وہ الوہیت کا بھی مظہر ہوتا ہے اور عبودیت کا بھی ۔ یہی اصل غرض ہے دنیا کے پیدا کرنے کی کہ ایسی مخلوق پیدا کی جائے جو ایک طرف خدا تعالیٰ کی مظہر ہو اور دوسری طرف عبودیت کی ۔ خدا تعالیٰ اپنی باریک مصلحتوں کے ماتحت چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کچھ ایسے بھی ہوں جو الوہیت کی چادر اوڑھنے والے ہوں اور دوسری طرف مخلوق کا بھی کامل مظہر ہوں ۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس امر کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں کہ خالی چندے دے دینا یا تبلیغ کر دینا کافی نہیں ۔ ہنسی اور ٹھٹھے کی عادت چھوڑ دو، نماز اور روزہ کو باقاعدگی کے ساتھ ادا کرو، جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے ان کے لئے حج بھی ضروری ہے ۔ بیسیوں ایسے ہیں جن کو حج کی توفیق ہے مگر وہ خیال نہیں کرتے ۔ کئی ملازم ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ پنشن لے کر حج کو جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ پنشن پانے کے بعد زندگی پائیں

گے بھی یا نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پنشن کے بعد ایسے بیمار پڑتے ہیں کہ اس قابل ہی نہیں رہتے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا۔ اپنی نیت کا بدلہ وہ ضرور پائیں گے مگر ترقیات سے محروم تو رہ ہی جائیں گے۔ پنشن تو گورنمنٹ اسی وقت دیتی ہے جب اچھی طرح نچوڑ لیتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا۔ پھر بعض لوگ کاروبار کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اگلے سال جائیں گے، پھر اس سے اگلے سال کا ارادہ کر لیتے ہیں حالانکہ دنیا کے کام تو ختم ہوتے ہی نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی ہو تو کر ہی لینا چاہیئے۔ میں جب تعلیم کے لئے مصر گیا تو ارادہ تھا کہ حج بھی کرتا آؤں گا مگر یہ پختہ ارادہ نہ تھا کہ اسی سال حج کروں گا۔ یہ بھی خیال آتا تھا کہ واپسی پر حج کرلوں گا جب میں ممبئ پہنچا تو وہاں نانا جان صاحب مرحوم بھی آ ملے وہ براہِ راست حج کو جارہے تھے اس پر میرا بھی ارادہ پختہ ہوگیا کہ اسی سال ان کے ساتھ حج کرلوں۔ جب پورٹ سعید پہنچے تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ اگر حج کی نیت ہے تو کل ہی جہاز میں سوار ہو جاؤ کیونکہ یہ آخری جہاز ہے۔ گو حج میں ابھی دس پندرہ روز کا وقفہ تھا مگر فاصلہ بھی وہاں سے قریب ہے اس لئے خیال کیا جاتا تھا کہ ابھی کئی جہاز حاجیوں کے مصر سے جدہ جائیں گے۔ میرے ساتھ عبدالحیٔ صاحب عرب بھی تھے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اگلے جہاز پر چلے جائیں گے مگر مجھے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر نیت ہے تو اسی جہاز سے جاؤ ورنہ جہازوں میں روک پیدا ہو جائے گی اس لئے میں نے پختہ ارادہ کرلیا۔ وہاں جو ایک دو اصحاب واقف ہوئے تھے وہ بھی کہنے لگے کہ ابھی توکئی جہاز جائیں گے قاہرہ اور اسکندریہ وغیرہ دیکھتے جائیں اتنی دور آکر ان کو دیکھے بغیر چلے جانا مناسب نہیں مگر میں نے کہا کہ مجھے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کل نہ جانے سے حج سے رہ جانے کا خطرہ ہے اس لئے میں تو ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ اس جہاز ران کمپنی سے گورنمنٹ کا کوئی جھگڑا تھا اور اس نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ وہ جہاز آخری ثابت ہوا اور کمپنی والے اس سال اور جہاز حاجیوں کے نہ لے گئے۔ حج کے بعد جب میری نیت ہوئی کہ مصر چل کر عربی پڑھوں تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ قانون کے مطابق اب تین ماہ تک آپ مصر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اتنے میں مکہ میں ایسا ہیضہ پھیلا کہ ایسا نظارہ بہت

کم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ انتہاء درجہ کی تباہی ہوئی۔ میں نے انفلوئنزا کی تباہی بھی دیکھی ہے۔ آپ بھی کئی بار بیمار ہؤا ہوں مگر ایسا تکلیف دہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں تو مکّہ پہنچ کر اس خیال سے کہ یہ مواقع کہاں ملتے ہیں میں نے وہاں تبلیغ شروع کر دی۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی وہاں تھے مجھے اطلاع ملی کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ مباحثہ کیا جائے۔ ہمارے ایک رشتہ دار تھے جو نانا جان مرحوم کی ہمشیرہ کے بیٹے تھے اور اس لحاظ سے ہمارے ماموں تھے وہ بھی اہلحدیث خیال کے تھے اور مولوی ابراہیم صاحب کے مداحوں میں سے تھے۔ وہ بھی کوشش کرتے تھے کہ مناظرہ ہو جائے۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں باقاعدہ حکومت کوئی نہیں اگر مباحثہ ہؤا تو لوگ انہیں مار ڈالیں گے اور اس طرح ایک کانٹا نکل جائے گا لیکن وہاں اہلحدیثوں کو لوگ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب مولوی ابراہیم صاحب کی آمد کا چرچا ہؤا تو انہیں خود وہاں سے جلد بھاگنا پڑا۔ شریف کے بیٹوں کے ایک استاد تھے جن کا نام عبدالستار تھا بہت شریف آدمی تھے۔ میں ان سے ملا تو انہوں نے بتایا کہ میں خود بھی اہلحدیث ہوں اور یہ تعلیم کا کام میں اس لئے کرتا ہوں کہ چھُپا رہوں اس پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے میرے خلاف کوئی شخص شرارت کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میری باتیں سن کر کہنے لگے کہ باتیں تو بہت معقول ہیں لیکن میرے سوا کسی اور سے یہ نہ کریں ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کسی کے ساتھ یہ باتیں کرنے میں ہمارے لئے زیادہ خطرہ سمجھتے ہیں اور اس لئے چاہتے ہیں کہ اس سے ہرگز یہ باتیں نہ کریں۔ وہ کہنے لگے کہ فلاں شخص سے ہرگز نہ کرنا۔ میں نے کہا کہ اسے مَیں تو پورا ایک گھنٹہ تبلیغ کر کے آیا ہوں۔ پوچھنے لگے۔ پھر کیا ہؤا میں نے کہا کہ میں تبلیغ کرتا رہا اور وہ غصہ کا اظہار کرتا رہا۔ کبھی کبھی جوش میں آ کر یہ بھی کہہ دیتا کہ افسوس نہ ہوئی تلوار ورنہ سر اُڑا دیتا۔ اپنے جس رشتہ دار کا میں نے ذکر کیا وہ خوب شور مچاتے پھرتے تھے کہ یہ واجبُ القتل ہیں۔ یہ بھوپال کے رہنے والے تھے۔ ان کے ساتھ وہاں کے ایک اور شخص بھی جو بھوپال ہی کے رہنے والے اور نواب صدیق حسن خاں کے نواسے تھے شامل تھے۔ لیکن اُدھر حج ختم ہؤا اور اِدھر ہیضہ پھُوٹ پڑا۔ ہمارا بھی ارادہ ہو گیا کہ جدہ چلے جائیں اور آخری ملاقات کے لئے ان سے ملنے کے لئے گئے۔ جب مکان پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ مکان پر لوگ جمع

ہیں، غسل وغیرہ کا سامان ہو رہا ہے، افسردگی طاری ہے، پتہ کیا کہ کیا بات ہے تو معلوم ہؤا کہ ان کو ہیضہ ہؤا اور فوت ہو گئے۔ اور انہی دنوں ایک اور دوست سے ملنے گئے تو میں نے دیکھا کہ ایک ہندوستانی کو بعض لوگ کوٹھے سے اٹھا کر نیچے گلی میں چھوڑ گئے۔ وہ تڑپ رہا تھا اس نے بتایا کہ میرے پاس کچھ روپیہ تھا جو ان لوگوں نے نکال لیا اور مجھے یہاں پھینک گئے ہیں۔ جہاں تک یاد ہے تھوڑی ہی دیر میں فوت ہو گیا۔ میں نے خود لاشوں کو کُتوں کو چاٹتے دیکھا ہے۔ غرض کہ ایسی تباہی تھی جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حج کرانا تھا اس لئے یہ موقع مل گیا۔ اِدھر ہیضہ پھوٹا اور اُدھر مصر جانے میں رُکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اس پر میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ جدہ کے انگریزی قونصل خانہ میں بھی ہمارے ننھیال کے ایک رشتہ دار میر منشی تھے۔ بھوپال کے جس رشتہ دار کا میں نے ذکر کیا ہے وہ تو نانا جان مرحوم کے رشتہ داروں میں تھے اور یہ نانی اماں صاحبہ مرحومہ کے رشتہ داروں میں تھے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہمارے جتنے رشتہ دار نانا جان مرحوم کی طرف سے تھے۔ وہ بِالعموم مخالف تھے اور جتنے نانی اماں صاحبہ کی طرف سے تھے وہ بِالعموم محبت کرنے والے تھے یہ غالباً ان کی خالہ کے لڑکے تھے اور بہت محبت کرتے تھے۔ جہاز چونکہ کم تھے اور لوگ جلدی واپس ہونا چاہتے تھے اس لئے ٹکٹ ملنے میں سخت دشواری تھی۔ ہم جب جدہ پہنچے تو ان سے کہا کہ جلد ٹکٹوں کا انتظام کر دیں تا پہلے جہاز میں واپس ہو سکیں۔ انہوں نے جہاز ران کمپنی کے دفتر میں بٹھا دیا یہ کمرہ بہت اونچا تھا۔ اتنے میں ایک دبلا پتلا آدمی نیچے آیا۔ میں کھڑکی میں بیٹھا تھا اور وہاں ہاتھ بمشکل اونچا کر کے پہنچ سکتا تھا ہجوم اور شور بہت تھا اور ہر طرف سے ٹکٹ ٹکٹ کا شور بلند ہو رہا تھا مگر وہ مجمع کو چیرتا پھاندتا کھڑکی کے نیچے پہنچا اس نے خیال کیا کہ شاید میں کمپنی کا ملازم ہوں۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ میں نے کہا میں تو مسافر ہوں تو پھر آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا میرے ایک عزیز یہاں بٹھا گئے ہیں اور ٹکٹوں کی خرید کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہمارا چالیس، پینتالیس عورت اور مردوں کا قافلہ ہے، بڑی مصیبت کا سامنا ہے مگر ہمیں سب سے زیادہ فکر عورتوں کی ہے۔ اگر آپ دس بارہ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو یہاں سے نکال دیں اور مردوں کے ساتھ جو گزرے گی کاٹیں گے۔ میں نے کہا کہ

عورتیں اکیلی کس طرح جائیں گی۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ اگر دو چار اور ٹکٹ لے دیں تو کچھ مرد بھی ان کے ساتھ جا سکیں گے اور آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ہمارے وہ جو رشتہ دار تھے ہم انہیں ماموں کہا کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ماموں ان لوگوں کی حالت قابلِ رحم ہے آپ ان کو بھی ٹکٹ لا دیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت مشکل ہے مگر میں نے اصرار کیا کہ وہ ضرور لا دیں اور میری خاطر لا دیں وہ گئے اور سترہ ٹکٹ لا کر دیئے میں نے وہ ٹکٹ کھڑکی میں سے انہیں پکڑا دیئے اور انہوں نے کھڑکی میں سے روپیہ پکڑا دیا۔ جب ہم جہاز پر سوار ہونے کے لئے گئے تو وہ دروازہ پر ملے بہت ممنونیت کا اظہار کیا اور بڑی تعریف کی اور جب میں نے ان کی تعریف پوچھی تو معلوم ہوًا کہ یہ وہ دوسرے شخص تھے جنہوں نے ہمیں مروانے کی کوشش کی تھی اور جو کہتے تھے کہ ان کا یہاں آنے کا کیا حق ہے اس پر وہ بھی بہت شرمندہ ہوئے۔

غرضیکہ ہم حج کر کے واپس ہندوستان آ گئے۔ مصر جانا محض ایک بہانا ہی ہوًا اور اگر اس وقت حج نہ ہو جاتا تو اب جس قسم کے انتظامات کی ضرورت ہے نہ اتنا روپیہ ہوتا کہ یہ انتظامات ہو سکتے اور نہ حج ہوتا اور اب تو ممکن ہے اس ملک کی حکومت ہی اجازت نہ دے۔ تو کئی لوگ خواہش تو رکھتے ہیں مگر وقت پر اسے پورا نہیں کرتے اور اس طرح ان کا نفس لنگڑا ہی رہ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ وہ اس کی تعمیل نہیں کر سکتے۔ بہت لوگ گناہوں میں اس لئے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کے نفس میں قوت پیدا نہیں ہوئی ہوتی وہ الوہیت کے کام کرتے ہیں مگر اپنے نفس کو بھول جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ نکلا نہیں جاتا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں توفیق دے کہ ہم خالق کے بھی اور مخلوق کے بھی کامل مظہر بن سکیں۔ آمین‘‘ (الفضل ۲۵ راگست ۱۹۳۸ء)

---

۱؎ اقرب الموارد الجزء الثانی صفحہ ۱۳۸۰۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۲؎ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذّٰریٰت:۵۰)

۳؎ مسند احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ ۲۰۰۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۴؎ الزمر:۲۴

۵؎ غربال: چھاج۔ پیٹ کا ہلکا۔ کم ظرف

۶؎ فاطر:۱۱